

ایک اور 'اسامہ' کی ضرورت

عاطف بیگ

یہ مضمون ادارے کے پتے پر بذریعہ ای میل موصول ہوا تھا، جسے تلخیص اور ضروری ترمیمات کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

مغرب اور اسلام کے درمیان آج جو معرکہ بپا ہے وہ حقیقتاً ہمہ جہت ہے۔ کفر اپنے تمام تر عسکری، مالی، مادی و وسائل سمیت امت مسلمہ اور اس کے دین پر حملہ آور ہے اور موجودہ حالات و واقعات میں یہ معرکہ ایک عظیم رخ اختیار کر گیا ہے۔

نوع انسانی کی تاریخ میں باطل نے بے شمار دلائل گھڑے ہیں اور کثیر الجہتی فکر کو نشوونما دیا ہے لیکن شاید تاریخ میں یہ اس سے پہلے نہیں ہوا کہ باطل نے اتنی کثیر تعداد میں دنیا کے افکار و اذہان کو متاثر کیا ہو کہ لوگوں نے اسے ایک طرز زندگی کے طور پر اپنا لیا ہو اور انفرادی رویے سے لے کر اجتماعی فیصلوں تک سارے معیارات اس کے مطابق بدل دیے ہوں۔

یہ اس طرح ہوا کہ کفر کے قائم کردہ باطل نظام نے نہ صرف کفر کو ترویج دی بلکہ کفر کی قباحت کے احساس کو ختم کرنے کے لیے چند مستقل معیارات بھی تشکیل دیے۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ ان معیارات کی روشنی میں کچھ لوگوں کو بیرو کا درجہ دے کر ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔ چنانچہ موسیقی کو نہ صرف ترویج دی گئی بلکہ زمانہ قدیم و جدید سے اس کے حق میں دلائل ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے گئے اور 'ایلو س پر سیلے' اور 'مائیکل جیکسن' جیسے موسیقاروں کو اس میدان کا ہیرو بنا کر پیش کیا گیا۔ 'آزادی' اظہار کو نہ صرف ایک فلسفے کے طور پر زندہ رکھا گیا بلکہ اس مادر پدر آزاد 'آزادی'

کوسرکاری سرپرستی بھی فراہم کی گئی، لوگوں کو خود اکسایا گیا۔ سلمان رشدی، گستاخانہ خاکے بنانے والا ملعون مصور اور امریکہ میں قرآن جلانے والا بد بخت پادری اس کی زندہ و جاوید مثالیں ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ سب ملعون ہی کیوں نہ ہوں لیکن مغرب تو انہیں آزادی اظہار کی علامت اور اس میدان کے ہیر و کے طور پر ہی جانتا ہے۔ جمہوری نظام وضع کیا گیا تو اس کے حق میں دلائل لانے اور اس کے نفاذ کی خاطر عملی جدوجہد کرنے والے ہر شخص کو ہیر و قرار دیا گیا۔ چنانچہ 'ابراہم لنکن' سے لے کر 'گانگہی' تک اور 'جارج واشنگٹن' سے لے کر 'نیلسن منڈیلا' تک سب ہی ہیر و قرار پائے۔ قلوب و اذہان کو دنیا میں مگن رکھنے کے لیے کھیل کو جب ایک باقاعدہ صنعت کا درجہ دیا گیا، تو ہر کھیل کے لیے کچھ ہیر و بھی تراشے گئے جن کی پیروی کو نوجوان نسلیں خود کے لیے سرمایہ افتخار جانیں۔ پس 'میراڈونا' سے لے کر 'ڈان بریڈمن' تک اور 'محمد علی کھلے' سے لے کر 'جہانگیر خان' تک سب ہی ہیر و ٹھہرے۔ مدعا واضح کرنے کے لیے تو اتنی مثالیں بہت ہیں۔

پس ایک طرف جہاں مغرب کی عسکری یلغار نے انسانیت کے جسد پر چر کے لگائے تو دوسری جانب اس فکری یلغار نے اس کے قلب و ذہن کو پر آگندہ کیا۔ رفتہ رفتہ تمام الہامی مذاہب اس حملے کے سامنے دم توڑتے گئے اور صرف اسلام ہی اس خالی میدان میں پوری آن بان شان کے ساتھ مقابلے کے لیے کھڑا رہا؛ اور یہ سعادت بہر حال اسی دین کو حاصل ہونی چاہیے تھی جو اللہ کا آخری پیغام ہو اور وہ بھی اپنی اصل حالت میں محفوظ۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد قائم ہونے والے عالمی نظام کفر کے کرتادھر تا بھی یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کے مضبوط و قطعی دلائل اس باطل نظام کی نظریاتی بنیادوں پر کاری وار کر سکتے ہیں اور اسی دین کی کوکھ سے ایسی قد آور شخصیات جنم لے سکتی ہیں جو ان کے خلاف عملی مزاحمت کا نشان بھی بن جائیں۔ پس ایک طرف تو امت کو عقائدی و فکری محاذ پر گمراہ کرنے کے لیے دانشوروں کی ایک پوری فوج کھڑی کی گئی جو امت کو دین اسلام کا ایک مسخ شدہ تعارف کرواتے اور نسل نو کے ذہنوں میں تشکیک و الحاد کے بیج بوئے۔ دوسری طرف اس بات کا بھی پورا اہتمام کیا گیا کہ نوجوانانِ امت کی نگاہوں میں یا تو مذکورہ بالا موسیقاروں، کھلاڑیوں، سیاسی مداریوں وغیرہ کو ہیر و بنا کر پیش کیا جائے یا زیادہ سے زیادہ کچھ ایسے کرداروں کو جو محض فکر و تخیل کی دنیا کے شہسوار ہوں۔ نیز ایسے ہر فرد کو ان کی نگاہوں سے گرانے اور اس کی سیرت کو مشکوک و مطعون

بنانے کی سعی کی جائے جس کا کردار امت کو غلامی کی زنجیریں توڑنے اور باطل کو لاکارنے کا سبق دینا ہو۔

لیکن یہ آخری دین تھا بہت سخت جان۔ اُدھر سے نظریاتی حملے شروع ہوئے، اُدھر سے فکری مزاحمت وجود میں آگئی۔ ہر خطے کے اہل حق علماء و داعی حضرات نے باطل افکار کی تلبیس واضح کی، الحاد و زندقے کا مقابلہ کیا، اشتراکی افکار اور مغربی ثقافت کی دراندازی روکی، حق و باطل کو جدا کر کے پیش کیا اور امت کی نظریاتی سرحدات کا تحفظ کیا۔ لیکن ابھی قوت کا مقابلہ قوت سے کرنے کا مرحلہ باقی تھا اور اس مرحلے کے لیے درکار تیاری کے لیے بھی کسی میدان کی تلاش تھی۔ پس اس ذات پاک نے اپنی بے مثل تدبیر کے ذریعے دین سے چھٹے ہوئے انھی بیدار مغز نو جوانوں کے سامنے جہاد افغانستان کا دروازہ کھول دیا۔ یہ عظیم الشان معرکہ مسلم تاریخ کا ایک روشن باب بن گیا لیکن اس کی کوکھ سے بھی اس بطل جلیل کی پیدائش ممکن نہ ہوئی جو کہ کفر کے خلاف مزاحمت کی علامت ہو، اگرچہ اس کے ظہور کی ابتدائی علامات خاک نشینوں پر ظاہر تھیں۔ اس جنگ کا خاتمہ ہوا اور اقتدار کی چھین جھپٹ نے اس کے روشن چہرے کو دھندلا کر دیا۔ بت شکنوں نے معاملے کا یہ رخ دیکھا تو اپنے اپنے وطن کو سدھارے لیکن بہت سوں پر کفر کے ہتھکنڈے کھل چکے تھے۔ مالِ غنیمت سے حصہ لینے کی بجائے مالک کی رضامندی کے واسطے اپنے صلے کو بھی بھول گئے۔

۔ شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

وقت دبے پاؤں آگے چلتا گیا۔ یہاں تک کہ کفر نے حجاز کی مقدس سر زمین پر اپنے پنجے گاڑے۔ وقت آگیا تھا کہ قدرت الہی وہ معجزہ دکھا دے جو اسلام کے شایانِ شان ہو۔ مالک ارض و سما کو اپنی مقدس زمین کی یوں پامالی پسند نہ آئی۔ بت شکنوں کے دل سے پہلے آپہں نکلیں، پھر سرگوشیوں کا روپ دھار اور پھر صدائے احتجاج بلند ہوئی جو بالآخر لاکار کی صورت اختیار کر گئی۔ اس لاکار نے ایوانوں میں لرزہ پیدا کر دیا۔

اُدھر جہاد کی سر زمین پر بھی کچھ بوریانشینوں نے سر اٹھایا۔ ایک ہاتھ میں گن اور دوسرے میں قرآن، دیکھتے ہی دیکھتے کفر کے بت سڑکوں پر لٹکائے گئے اور اقتدار کے بھوکوں نے بھاگ جانے میں

ہی عافیت جانی۔ حجاز کے مقدس شاہینوں پر زمین تنگ ہوئی تو خراسان کے بوریا نشینوں نے بازو وا کر دیے۔ یوں دو عظیم الشان قوتوں کا ملاپ ہو گیا۔

دونوں نے ایک مقصد کے لیے حلف اٹھایا کہ رب کی دھرتی پر رب کا نظام۔ اس باہمی اختلاط نے ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع فراہم کیا اور سب سے بڑھ کر ایک ایسا ماحول بنا جس میں خدائی قانون روح رواں تھا۔ ایک گروہ اگر مال لایا تو دوسرے نے خلوص دل سے وفاداری و حفاظت کا حلف اٹھایا۔ امت کا یہی وہ دور ہے جو چاہے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، مسلکی اختلافات کے باوجود ایک ساتھ رہنے کا مظہر ہے۔ امت کی پچھلی سو سالہ تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ تھا کہ کسی ایک گروہ نے مسلکی اختلاف کے باوجود دوسرے کی قیادت قبول کی ہو اور دوسرے نے پہلے کی عزت کی ہو، اور ہر دونے ایک دوسرے کے لیے دل کھول کر رکھ دیے ہوں۔ یقیناً یہ عقیدہ توحید ہی تھا اور رب کی طرف سے ڈالی گئی باہمی الفت تھی۔ پھر علم و عمل کا تبادلہ بھی معرض وجود میں آنے لگا۔ صدیوں سے چھایا چلا آنے والا وجود بھی ٹوٹا اور تعصب بھی۔ امت کے فقہاء ان کا مرجع تھے تو کتاب و سنت کی جانب رجوع ان کا دستور۔ یہ کوئی جامد معاشرہ نہ تھا۔ اس میں باہمی ادب و احترام اور رواداری کی وہ فضا تھی جس کی بنیاد قانون الہی پر تھی۔ یہ معاشرہ جہاں امر بالمعروف کے آداب سے واقف تھا وہیں نبی عن المنکر کے لیے بے چین۔ یہ دو معاشروں کا بھی ملاپ تھا۔ عرب کے شعلہ نوا جھلسے بدنوں کو کوہ ہند و کش کے چٹان صفت شہسواروں کے ساتھ شیر و شکر ہونے کا موقع ملا تھا۔ ایک گروہ اگر مانند مہاجرین تھا تو دوسرا مانند انصار۔ اخوت و ایثار کے شاندار مظاہرے وجود میں آئے۔

اس اتحاد و اشتراک کا بڑا گہرا اثر ہوا۔ دنیا بھر کے صالح ذہنوں کے لیے افغانستان ایک مقناطیس کی حیثیت اختیار کر گیا۔ چار عالم سے ہزاروں لوگ ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے۔ بے عمل اور کمزور مسلمان جن کے دلوں میں ایمان کی کچھ رقمق ابھی باقی تھی، اس سرزمین کو اسلام کے نشان کے طور پر دیکھنے لگے۔ کوئی ملا عمر کی صداقت و جاں نثاری کے گن گاتا تھا تو کوئی شیخ اسامہ کی بہادری کا معترف۔ کسی کی زبان پر قندھار کے لنگڑے گورنر کی کہانیاں تھیں تو کوئی کابل میں بے مثال امن کے قصیدے پڑھ رہا تھا۔

صورتحال کا مشاہدہ کرتے کفر کب سے دانت دبائے بیٹھا تھا۔ اس کا شیطانی وجد ان اسے کب سے خبردار کر رہا تھا کہ یہ صرف خالی خوبی نظام نہیں اور نہ کچھ جزوی اسلامی قوانین کا موقع، بلکہ اس کی کوکھ

سے وہ کردار اور واقعات جنم لے رہے ہیں جو عنقریب اس کے مقرر کردہ بیانیوں کو بدل کر رکھ دیں گے، اچھائی اور برائی کو پرکھنے کے لیے ’الہی قانون‘ پھر بیانیہ بن جائے گا۔ لہذا اس نے موقع غنیمت جان کر اپنی پوری قوت سے اس پر یلغار کر دی۔ ایمان والوں نے ایک لحظہ ضائع کیے بغیر فیصلہ سنایا:

”یہ وہی تو ہے جس کا تمہارے رب اور اس کے رسول ﷺ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا تھا۔“

جن کے دلوں میں نفاق تھا وہ اور بڑھ کر کفر میں داخل ہوئے، اور جنہوں نے اپنا آپ اللہ کو پیش کر دیا تھا، یہ معرکہ ان کے بلندی درجہ کا ذریعہ بن گیا۔

ایمان اور وفاداری کے حیران کن واقعات پیش آئے۔ قلعہ جنگی کے کنٹینروں اور بیرکوں سے بہتا خون بہت ساروں کے جذبات کو ہمیز دے گیا۔ عقل نے گنگ ہو کر یہ منظر دیکھا کہ ہزار لالچ، دھمکی، تحریص کے جواب میں امیر المومنین صرف ایک فرمان رسول بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مسلمان اپنے بھائی کو کافر کے حوالے نہیں کرتا۔

تورا اور اکرے پہاڑ جہاں شہیدوں کے خون سے تر ہوئے، وہاں کئی منافقوں کے چہرے بھی دنیا کے سامنے کھل گئے۔ غلاموں نے ڈالروں کے بدلے مجاہدوں کے جسم تو کفار کے حوالے کر دیے لیکن ان کی روح امت میں دوڑنے لگی۔ کہیں پر لاشوں سے خوشبو آتی تھی اور کہیں کوئی ظلم رسیدہ قیدی ظلم کے کوڑے کھا کر بھی احد احد کا نعرہ متانہ بلند کرتا تھا۔

نشہ اور بردہ فروشی جس قبیلے کی پہچان تھی، وہ اچانک ایک انگڑائی لے کر بیدار ہوا اور ان ستم رسیدوں کا میزبان بن گیا۔ طاغوت کے کروڑ اور ڈیڑی کڑ اپنی ہی گھن گرج میں ڈوب گئے جو اعلان کر رہی تھی کہ: بے کار ہے، ہم سینٹ اور پتھر کے بنکر میں تو سوراخ کر سکتے لیکن ان چٹان صفتوں کے ایمان میں نہیں۔ غلام آقا کو بچانے نکلے، سازشوں کا جال بنا۔ شہادتوں پر شہادتیں ہوئیں لیکن ہر گزرنے والا لاشہ کئی زندگیوں کو جنم دے جاتا۔

کفر جھنجلا سا گیا۔ میڈیا کو حکم ہوا کہ ناکامی کو کامیابی سے بدل دو۔ شور مچنے لگا۔ دشمن اسامہ، طالبان دہشت گرد، ملا عمر تخریب کار، رٹے رٹائے طوطے کی طرح کا شور۔ لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ سپرنگ کو جتنا دبایا وہ اتنا ہی باہر آیا۔ شیخ اسامہ شجاعت و بسالت کے آئینہ دار ٹھہرے تو ملا عمر جرات و وفاداری کے۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا کام خود کفر ہی کرنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے قرآن سب سے زیادہ بکنے والی کتاب بن گئی۔ قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں پھر بلند ہونے لگیں۔ دین پیٹھک اور چوپالوں کے بحث و مباحثے سے نکل کر ایک زندہ و جاوید اور سنجیدہ مسئلے کا رخ اختیار کر گیا۔ عالم افاق پر توحید کی کرنیں پھر جلوہ گر ہوئیں۔ قدامت پسندی اور بنیاد پرستی کے طعنوں سے اس کا تو کچھ نہ بگڑا مگر یہ سنت اور بدعت میں تفریق ضرور کر گیا۔ وہ نظریات اور تصورات جو پچھلے ڈیڑھ سو سال میں صرف کتابوں اور درسوں کی زینت بنے ہوئے تھے، وہ یک بیک حقیقت کا روپ دھار گئے۔ افسانوی کردار زندہ و جاوید پیکر میں ڈھل گئے۔ اعلیٰ نسب، بلند کرداری، شجاعت و بہادری، اطاعت رسول، حق کے راستے میں ثابت قدمی اور پامردی جیسے مظاہر، جن کو سید قطب کے الفاظ میں 'سیاست کی منافقت' نے تقریباً دھندلا دیا تھا، وہ شیخ اسامہ و دیگر کے روپ میں جلوہ گر ہو گئے۔

اگر ان واقعات کا معروضی جائزہ لیا جائے تو شاید ہی کسی تحریک نے کم از کم پچھلے پانچ سو سال میں رائے عامہ کو اس طرح متاثر کیا ہو، اور شاید ہی کسی دوسری تحریک کو ہم 'عالمی تحریک' کا نام دے سکیں جو صرف ایک خطہ زمین کا قبضہ چھڑانے کے لیے یا مسلمانوں کے کچھ جزوی مسائل کا حل کرنے کے لیے نہ بپا ہوئی ہو، بلکہ عالمی سطح پر عالم کفر کے خلاف دین و امت کی مکمل ترجمانی کرتی ہو اور اس کے راستے میں ہر مشکل برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔ مزید براں وہ شیخ اسامہ جیسے کرداروں کو بھی جنم دے جو ایک طرف جہاد کا ایک حوالہ ہوں، اور دوسری طرف ایمان اور کردار کی ایک سادہ و بے ساختہ تصویر پیش کریں۔

انھوں نے اس گئے گزرے دور میں بھی ایمان کا ایک معیار قائم کر دیا۔ لمبے درسوں، فکری و نظری مباحث، دینی اصطلاحات کی تشریح سے ہٹ کر ایک سادہ اور غیر مبہم تصور سے امت کو روشناس کرایا۔ اور وہ یہ تھا کہ 'اللہ کے دین کے علاوہ اور کوئی بات قابل قبول نہیں'۔ یہ تصور عوام المسلمین میں مقبول ہوا اور یوں وہ اس مقصد میں مکمل کامیاب ہوئے کہ دین کو معاشرے کا مسئلہ بنا دیا۔ (آج کہیں دین کی مخالفت بھی ہو رہی ہے تو وہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ دین معاشرے کا موضوع بنا ہے۔

۔ تندئی بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!

یہ تو چلتی ہے تجھے اونچپ اڑانے کے لیے

عوام کے لیے کسی دور افتادہ پہاڑ کی غار میں بیٹھے ایک بوریا نشین کا مقام، کسی ریاستی ملا سے کہیں بڑھ کر تھا۔ ہزاروں اور لاکھوں کے چہرے سنتِ رسول سے مزین ہوئے۔ دروس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد اچانک درجنوں سے سینکڑوں اور ہزاروں میں جا پہنچی۔ اپنی بنیاد جاننے کے شوق میں لاکھوں دماغوں نے لائبریریوں اور علماء سے رابطہ کیا۔ ملاحم کبریٰ، ظہور مہدی، علامات قیامت کے متعلق لوگوں کے اندر کبھی اتنا شوق نہ جاگتا، اگر شیخ اسامہ جیسے کردار پردہ سکرین پر نمودار نہ ہوتے۔

حق کا ایک اور مرحلہ باطل کا پردہ انتہائی حد تک چاک کر دینے سے تعلق رکھتا ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ باطل ہمیشہ ایمان کے ساتھ سیدھی ٹکرائے سے بچتا ہے۔ وہ دھوکے اور جھوٹ کی آڑ میں کام کرتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہی ’آمناسامنا‘ ہوا وہ بے نقاب ہو جائے گا۔ اسی مقصد کے لیے حق باری تعالیٰ نے یہ گروہ مومنین کی ذمہ داری رکھی ہے کہ وہ باطل کو لاکاریں، اسے مقابلے پر مجبور کریں تاکہ وہ بے نقاب ہو جائے اور اس کے دجل و فریب کا پردہ چاک ہو سکے۔ پس اس گروہ مومنین کا پاپا ہونا تھا کہ کفر اپنے دجل و فریب کے پردے چاک کر کے باہر آگیا۔

وہ جو ’انسانی رواداری‘، ’دوسروں کی مذہبی روایات کا احترام‘ کا پرچارک تھا، اس نے نبی کریم ﷺ کے کارٹون بنا کر اپنے اس دجل کا پردہ خود ہی چاک کر ڈالا۔ جن صلیبی جنگوں کے تصور سے ہی وہ کانپ اٹھتا تھا، اس کا اظہار ’بش‘ نے خود ہی کر ڈالا۔ انسانی جان کے تحفظ کا سب سے بڑا علمبردار افغانستان، عراق اور وزیرستان میں سب سے بڑے قتل عام کا مجرم ٹھہرا۔ مذہبی وابستگی سے بالاتر ہو کر ہر انسان کو مساوی مواقع فراہم کرنے کا داعی ہر داڑھی والے سے ایسے خوفزدہ ہوا کہ اسے بنیاد پرست قرار دے کر زندگی کے ہر معاملے سے ہٹانے لگا۔ قانون کی بالادستی کو سب سے اہم ماننے والا گوانتا موبے کے قیدیوں کو قانونی تقاضوں سے آخری حد تک دور رکھنے کا مجرم پایا گیا۔ پھانسی اور اسلامی سزاؤں کو غیر انسانی قرار دینے والے نے ابو غریب کی جیل میں ظلم و ستم کی وہ داستان رقم کی کہ اس کے اپنے انصاف پسند چیخ اٹھے۔

اپنی عزت کے تحفظ میں امریکی فوجی پر گولی چلانے والی عافیہ صدیقی کو جہاں ۸۶ سال کی قید کی سزا دی، وہاں اپنی فوجی ’جنسی مریضہ‘ اور اس کے بوائے فرینڈ ___ جنھوں نے ابو غریب میں انسانیت سے گرے جرائم کا ارتکاب کیا ___ انھیں صرف ڈھائی ماہ ’ذہنی معالج‘ کی consultancy میں دیا۔

اسی طرح شاتم رسول 'رشدی' کو اگر برطانیہ نے 'سر' کے لقب سے نوازا تو جرمنی کی چانسلر 'ملعون کارٹونٹ' کی تعریف میں رطب اللسان نظر آئی۔ ٹونی بلیر نے پرائم منسٹری سے فراغت کے بعد 'پوپ کی نوکری' اختیار کی اور بش نے اپنے آپ کو خدا کی طرف سے مامور بتلایا۔ ابامہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ امریکہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

زرداری کہنے لگا کہ یہ لوگ ہمارا لائف اسٹائل بدلنا چاہتے ہیں۔ گویا خود اقرار کیا کہ اس کا 'لائف اسٹائل' اسلام کے علاوہ کچھ اور ہے۔ مشرف کو مجبوراً سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگانا پڑا جو نیشنلزم کے کفر کے علاوہ کچھ نہیں۔ بزبان قرآن:

”ان کی اصل حقیقت تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو چکی، اور جو کچھ یہ سینوں میں چھپاتے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے۔“

شکر صد شکر کہ شیخ اسامہ و دیگر کی بدولت ان کے سینوں کا عناد بھی ہم پر کھل گیا۔ وہ کفر کے خلاف دین و امت کے دفاع کی علامت ہیں۔ انہوں نے اپنے کردار اور قربانیوں سے اسلامی معیارات اور کفریہ معیارات کے درمیان ایک حدِ فاصل قائم کر دی ہے۔ ان سے محبت اللہ کی طرف سے عطا کردہ تحفہ ہے، جس کو بنیاد بنا کر امتِ مسلمہ اپنے حالات و واقعات میں انقلابی تبدیلی لاسکتی ہے۔ وہ صرف ایک مجاہد نہ تھے بلکہ مسلسل قربانیوں نے انہیں ایمان کے اس درجے پر فائز کر دیا تھا جس کی فراست سے شیطان بھی اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔ اس پر آشوب دور میں شاید ان تمام اثرات کا احاطہ ممکن نہ ہو جو آپ کی جدوجہد اور شہادت نے امت پر چھوڑے ہیں۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ امت کی بیداری خونِ شہیدان سے مشروط ہے۔

مغرب کا ڈر ٹھیک تھا، اگر وہ شیخ اسامہ کی لاش امت کے حوالے کر دیتا تو اس بدترین فتنے کے دور میں بھی یہ امت دعویٰ کرتی کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہمارے جنازے کریں گے۔ شیخ اسامہ پہلے تھے مگر آخری نہیں۔ امت کو اگر اپنا وجود باقی رکھنا ہے تو ایک اور 'اسامہ' کی ضرورت ہے جو کفر کے خلاف ہر محاذ پر کھڑا رہے۔

اور الحمد للہ مسلمان ماؤں کی گودوں میں پھر ایمان کے پھول کھلنے لگے ہیں۔